Majallah-yi Talim o Tahqiq

مجلہ تعلیم و تحقیق

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, **ISSN (Online):** 2618-1363

Issue 1,Vol 5, January-March,2023

شمارہ ۱، جلد ۵، جنوری—مارچ، ۲۰۲۳

واقعہ معراج النبی ﷺ کے متعلق سر سید احمد خان اور اہلِ سنت والجماعت کا نقطۂ نظر (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

The views of Sir Syed Ahmed khan and Ahl-e-Sunnah waljama,a regarding the event of Ascension of the prophet (SAW). Research and Critical Review

ڈاکٹر عنایت اللہ اصلاحی[1]

ڈاکٹر محمد شعیب[2]

Keywords:

Mi‹raj of Prophet Muhammad(ﷺ) and Sir Seyd Ahmed, Ahl-e-Sunnat, viewpoint.

Abstract:

A lot of Muslims came under the spell of western thoughts, scholarship and civilization when the Muslim power is replaced by western Power. Even, they denied the centuries old and established principles of Islam which they found apparently in clash with the Western thoughts. In this way, they ignored Muslim thoughts and civilization. Scared by the so-called Western development, they changed the established Islamic tradition to make their masters happy. They came to be known as 'Modernists'. The most prominent from the Subcontinent are Sir Syed Ahmad Khan (1817-1898). This research article dissertation under the title: واقعہ معراج النبی ﷺ کے متعلق سر سید احمد خان اور اہل سنت والجماعت کا نقطۂ نظر (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)
follows and investigates the literature of the said well-known scholars. For this purpose, the scholar has critically studied the texts of the books written by Sir Syed Ahmad Khan: Maqala'at e Sir Sayyed and Khutbat e Ahmadiyyah in answer to Sir William's 'The Life of Muhammad'. Also, These books have served as primary sources or texts which carry the basic thoughts and views of the writer about Hadith. Many other books, articles and papers, both online and offline are used as secondary sources. This article is divided into many chapters safari miraj, haqeeqati miraj, sir sayyed ahmad khan ki nizdek waqia miraj ki haqiat, waqia miraj ki mutalliq ahli sunnat ka maslak. The study concludes on the point that Sir Sayyed Ahmad khan is not a Denigrator (Munkir) of the Hadith.

[1] پی ایچ ڈی سکالر قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور واسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج آف مینجمنٹ سائنسز تیمر گرہ دیر لوئر Islahi313@gmail.com

[2] عربیک ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول بادام لوئر دیر۔ muhammad.shoaib5573@gmail.com

تمہید وتعارف:

محبوب کائنات اور اللہ تعالیٰ کے نہایت محبوب اور برگزیدہ نبی نے جس روز سے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قریشِ مکہ کو توحید کی دعوت دی تھی، اسی روز سے عداوت وعناد کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ہر طرف سے مصائب وآلام کا سیلاب امڈ آیا، رنج وغم کا اندھیرا دن بہ دن گہرا ہوتا چلا گیا۔ لیکن اس تاریکی میں حضرت ابو طالب اور ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وجود ہر نازک مرحلہ پر تسکین وطمانینت کا سبب بنا کرتا تھا۔ بعثت نبوی ﷺ کے دسویں سال نہایت مشفق چچا نے وفات پائی، یہ صدمہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا کہ جود وسخا کا پیکر، رفیقہ حیات، سیدہ خدیجہ الکبریٰ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ اب کفار کو ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا بھی کوئی نہ رہا جس کے باعث ان کی ایذار سانیاں ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے، شاید وہاں کے لوگ اس دعوت توحید کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں، لیکن طائف کے باسیوں نے جس وحشیانہ برتاؤ کا مظاہرہ کیا اس نے سابقہ زخموں کو تازہ کیا۔ ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی ہی مایوسی تھی رحمت الٰہی نے اپنی عظمت وکبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرانے کے لیے اپنے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے لیے بلایا تاکہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے رب جلیل کی تائید ونصرت پر یقین ہو جائے اور یہ کہ ناموافق حالات ان کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ سفر اسراء کے لیے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس وقت نبی پاک ﷺ کو سہارے کی ضرورت تھی اور معراج سے بڑھ کر کوئی سہارا نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں پہ بلا کر آپ کی ضیافت کی، جنت اور جہنم کی سیر کرائی اور بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت اور ساتھ پہلے پچاس پھر پانچ نمازوں کا تحفہ دے کر نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

سفر معراج:

نبی کریم ﷺ ایک شب خانہ کعبہ کے پاس حطیم شریف میں آرام فرما تھے کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو جگا دیا اور آپ کو ارادہ خدا سے آگاہی بخشی۔ حضور ﷺ اٹھے اور زمزم[3] کے چشمے کے قریب لائے گئے، وہاں آپ کے سینہ اقدس کو چاک کیا گیا۔ آپ ﷺ کے قلب اطہر کو ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا۔ اور پھر سینہ مبارک درست کیا گیا۔ اس کے بعد نبی پاک ﷺ کو حرم شریف سے باہر لایا گیا اور سواری کے لیے ایک خاص قسم کا جانور پیش کیا گیا جس کا نام "براق" تھا جو گدھے سے بڑا اور گھوڑے سے چھوٹے قسم کا جانور تھے۔ براق اتنا تیز رفتار تھا کہ جہاں نبی اقدس ﷺ کی نظر پڑتی تھی وہاں براق قدم رکھتا تھا۔ نبی اقدس ﷺ اس پر سوار ہو کر مسجد اقصیٰ آئے۔ جہاں جملہ انبیاء سابقین آپ ﷺ کے منتظر تھے۔ سب انبیاء نے آپ کی قیادت میں دو رکعت نماز ادا کی۔ 'لتؤمنن بہ' کا قرآنی وعدہ جو روز اول ہی انبیاء کی ارواح سے لیا گیا تھا (کہ اس نبی پر ایمان لائیں گے) کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد آپ کا سفر آسمانوں کی طرف رواں دواں ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں اس ترتیب سے ہوئیں کہ پہلے آسمان میں سیدنا آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، دوسرے آسمان میں عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام سے، تیسرے آسمان میں یوسف علیہ السلام سے، چوتھے آسمان میں ادریس علیہ السلام سے، پانچویں آسمان میں ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ساتویں آسمان پر اپنے جد امجد ابوالانبیاء ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔

3

ہر نبی نے 'مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح' اور 'مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح' جیسے عظیم الفاظ سے استقبال کیا۔ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے 'مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح' سے استقبال کیا باقیوں نے 'مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح ' کے الفاظ سے استقبال کیا کیونکہ دونوں کے بیٹے اور باقی انبیاء کے وہ بھائی تھے۔ بیت المعمور کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام پشت لگائے بیٹھے تھے کہ وہاں نبی پاک ﷺ کی آپ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جہاں سے نبی کریم ﷺ آگے چلے گئے اور مقام سدرۃ المنتہی ' تک پہنچ گئے جس میں اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلیات ہی تجلیات تھیں، جس کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ ان کیفیات کو رب العٰلمین نے کس طرح بیان کیا؟ اس مقام قرب کاذکر رب کریم نے کس انداز سے کیا؟ قرآن کریم کا بیان یوں ہے جیسا کہ سورت نجم میں بیان ہوا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى۔ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى۔[4]

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔ پھر قریب ہوئے اور بہت زیادہ قریب ہوئے کنایہ ہے نہایت قرب سے۔ اتنا قریب ہوئے جیسے کمان کے دو قوسوں کے برابر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ " فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى "، 'پس اللہ نے اپنے بندے کو وہ وحی بتادی جو وہ جو چاہتے تھے'۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر بہت سے انعامات جلیلہ کی بارش کردی جو کہ قرب الٰہی کی شکل میں تھیں۔ اور جب آپ ﷺ سفر سے واپس آرہے تھے تو رب کائنات نے آپ کو تحفے میں پچاس نمازیں دیں اور آپ کو دن رات میں پچاس نمازیں اداء کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اللہ نے تحفے میں کیا دیا؟ جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "ان امتک لاتطیق ذلک "کہ تمہاری امت میں پچاس نمازوں کی طاقت نہیں ہے،" ارجع الی ربک فسله التخفیف"[5] جاکر اپنے رب سے تخفیف کا مطالبہ کرو۔ آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی عرض داشت پر کئی بار بارگاہِ رب العزت میں تخفیف کے لیے التجا کی۔ چنانچہ پانچ پانچ کم کرتے کرتے نمازوں کی تعداد پانچ ہی کردی گئی۔ اب نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ثواب پچاس نمازوں کا ہی ملے گا۔ وہاں سے پھر محبوب کائنات ﷺ نے مراجعت فرمائی، یہ رات کا وقت تھا، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ صبح کی سپیدی کا کوئی نام ونشان نہ تھا کہ اسی اثنا میں نبی پاک ﷺ زمین پر جلوہ افروز ہوئے۔

واقعہ معراج سے متعلق مختلف نظریات:

جب آپ ﷺ سفر معراج سے واپس ہوئے تو صبح کو حرم شریف میں نبی کریم ﷺ نے قریش مکہ کے ایک بھرے مجمع میں اس واقعے کا تذکرہ کیا تو لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ بعض لوگوں نے اس واقعے سے صاف انکار کیا اور بعض لوگوں نے اسے حق مانا۔ وہ لوگ جو ایمان کے نور سے خالی تھے ان کو اسلام اور داعی اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع ملا۔ اس موقع پہ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ لیکن جن کے دلوں میں یقین کا چراغ روشن تھا انہیں نہ کوئی تذبذب ہوا اور نہ وہ دشمنانِ اسلام کی ہرزہ سرائی سے متاثر ہوئے بلکہ جب

---

[4] القرآن، سورت النجم، ۵۳: ۸-۱۰

[5] مسلم بن حجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، ج:۱، ص: ۹۱-۹۴

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ [6] سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر یہ بات میرے محبوب نے کی ہے تو بالکل سچ کہا ہے۔ جو لوگ سچے مسلمان ہوتے ہیں وہ یہ نہیں پوچھتے کہ عقل کیا کہتی ہے بلکہ وہ جان چکے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں ہوتی۔ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے جس طرح چاہے کرنے پر قادر ہے۔ وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی حقانیت کے متعلق شک وشبہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ لیکن آج کل صورت حال قدرے جدا ہے۔ اور لوگ واقعہ معراج کے حوالے سے تین گروہوں میں تقسیم ہوئے ہیں۔ تینوں کے نظریات یہ ہیں۔

1۔ ایک گروہ تو منکرین کا ہے جو اس واقعے کی حقانیت کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

2۔ دوسرا گروہ اس واقعے کو اللہ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر سمجھتے ہیں اور اس کو برحق مانتے ہیں۔

3۔ ایک تیسرا گروہ جو ایک نیا گروہ ہے اور آج کل نمودار ہوا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو نہ تو دل سے پکے مسلمان ہیں اور نہ اپنے ذہنی آقاؤں کے متجددانہ نظریات کو رد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ لوگ اس واقعے کی ایسی تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ واقعہ کا محض نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کا حسن وجمال مکمل ختم ہو جاتا ہے اور اس کی معنویت معدوم رہ جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کا بڑا دفاع کیا اور اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں لیکن اس کی آڑ میں وہ دین کے اہم باب 'معجزات' کو ماننے سے کتراتے نظر آتے ہیں اور یوں وہ تجدد فی الدین کا زہر بھرا جام پینے کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ دین میں طرح طرح کی تاویلات پیش کرنے کی وجہ سے آخر کار وہ معجزات سے انکار کر بیٹھتے ہیں اور انکار معجزات سے آگے نکل کر وہ انکارِ حدیث پر بھی اتر آتے ہیں۔ ان میں سے ہندوستان میں غلام احمد پرویز [7]، عبداللہ چکڑالوی، پروفیسر اسلم جیراج پوری [8]، علامہ عنایت اللہ مشرقی، تمنا عمادی پھلواری، غلام احمد قادیانی، نیاز فتح پوری اور ہندوستان کی نامور شخصیت سر سید احمد خان شامل ہیں۔

ان متجددین نے اسلام کا حلیہ بگاڑا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے قرآن کافی ہے اور یہ کتاب ہدایت کے لیے کافی ہے اس کے علاوہ دین میں کوئی سنت نہیں ہے بلکہ یہ سب روایات ہیں اور غلام احمد پرویز نے تو برملا احادیث رسول ﷺ کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

---

[6] ابو بکر عبداللہ بن ابی قحافہ ہیں۔ پہلے خلیفہ راشد تھے۔ نبی کریم ﷺ سے استفادہ کیا۔ جبکہ شاگردوں میں انس بن مالک اور جابر بن عبداللہ مشہور ہیں ۱۳ھ۔ ۶۳۴ء کو فوت ہوئے۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۳، ص۱۱۶۹

[7] غلام احمد پرویز۔ پیدائش ۹ جون، ۱۹۰۳ء مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۲۴ فروری ۱۹۸۵ء میں وفات ہوئے تھے۔ پہلے سیکشن آفیسر تھے بعد میں ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کی۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سلسلہ معارف القرآن، مطالب الفرقان، مقام حدیث، شاہکار رسالت، معراج انسانیت، اسلام کیا ہے، لغات القرآن، تبویب القرآن وغیرہ، پاک وہند میں انکار حدیث کے پرزور داعی تھے۔
مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، آئینہ پرویزیت، عقل پرستی اور انکار معجزات، ناظم جامع مسجد اہل حدیث گجرات، ص۵۶۔

[8] اسلم جیراج پوری صاحب ۲۷ جنوری ۱۸۸۲ء کو بھارت کے شہر جیراج پور میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کو دہلی میں فاوت ہوئے تھے۔ انکار حدیث کے قائدین میں تھے، کئی کتابوں کے مصنف تھے جیسے الوراثۃ فی الاسلام، حیات حافظ شیرازی، تعلیمات قرآن، تاریخ القرآن، فاتح مصر، حیات جامی، تاریخ الامت، ہمارے دینی علوم وغیرہ، ۷۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، آئینہ پرویزیت، ص۸۹

سر سید احمد خان کے نزدیک واقعہ معراج کی حقیقت:

سر سید احمد خان صاحب کے نزدیک معراج کا واقعہ عالم منام کا ہے اور یہ محض ایک خواب ہے۔ مقالات سر سید میں آپ نے بڑی شدت سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے۔ دراصل سر سید احمد خان صاحب مستشرقین کے اعتراضات سے مرعوب ہو گئے ہیں۔ ان کی کوشش تھی کہ ان کے زہر آلود تیروں سے دین اسلام کو بچایا جائے لیکن سر سید کو یہ خیال نہ تھا کہ ان کے اس عمل سے خود اسلام کا اپنا حلیہ بگڑ جاتا ہے، عظمت مصطفوی ﷺ کا عقیدہ متزلزل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی کی قدرت کاملہ پر یقین منہدم ہو جاتا ہے۔ یہ بات ہمیں بالکل ہی تسلیم ہے کہ سر سید نے "مقالات سر سید" سر ولیم میور(William Muir)[9] کی کتاب "دی لائف آف محمد"(The life of Muhammad) کے جواب میں لکھے ہیں۔ ان کا یہ کام قابل قدر ہے جس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے لیکن سورت بنی اسرائیل میں واقعہ اسراء اور واقعہ معراج میں یقیناً وہ سر ولیم کے اعتراضات سے گھبرا گئے ہیں جو کہ بالکل ہی گھبرانے کی بات نہ تھی۔ لیکن ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ جب آپ نے واقعہ معراج کا انکار کیا تو آپ نے کون سا کارنامہ سرانجام دیا؟ ایسا کر کے آپ نے کس کو اسلام قبول کرنے پر امادہ کیا ہے؟ اور کیا آپ کے اس جدید اسلام کو قبول کر کے انہوں نے اسلام پر اعتراضات کرنا چھوڑ دیے ہیں؟ نہیں ہر گز نہیں۔ اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر اس محنت کا ما حصل کیا ہے؟ صرف یہ کہ صحیح واقعات کا انکار کر کے خود علما کی نگاہوں میں مشکوک بن گئے۔ سر سید احمد خان صاحب واقعہ معراج کے متعلق مروی صحیح بخاری کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

'یہ احادیث ایک دوسرے سے اس قدر مختلف و متناقض ہیں کہ صراحتاً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت واعتبار کو کھو دیتی ہیں'۔ پھر آگے تناقض و تضاد کے نمونے پیش کرتے ہیں جو نہایت حیرت انگیز نمونے ہیں۔

سر سید کے نزدیک احادیث معراج میں واقع تضادات:

تضاد اول:

سر سید احمد خان[10] فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ کافی سارے تضادات کا مجموعہ ہے لہٰذا ہمیں اس کو تسلیم کرنے میں دقت ہے۔ مثال کے طور پر وہ چند تضادات کا تذکرہ کرتے ہیں:

ایک حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ "حطیم شریف" میں تھے۔

---

[9] ولیم میور، پیدائش ۱۸۱۹ء میں ہوئی۔ سکاٹ لینڈ کا ایک عربی دان عالم تھا۔ جو ہندوستان میں سول سروسز میں کئی ممتاز عہدوں پر فائز رہا۔ پنجاب کا گورنر بھی رہا۔ انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ تعزیرات ہند کے نام سے اس کی نگرانی میں ہوا۔ اصل عربی مصادر کی مدد سے رسول اللہ ﷺ کی ایک مفصل سیرت "دی لائف آف محمد" کے نام سے ۴ جلدوں میں لکھی۔ (مطبوعہ ۱۸۶۱ء) ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

[10] سر سید احمد خان کا اپنا نام متقی بن محمد متقی تھا۔ آپ ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے، اور ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو فوت ہوئے تھے۔ دو قومی نظریے کے بانی تھے۔ مصلح اور فلسفی تھے۔ یونیورسٹی آف ایڈنبرا سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ولیم میور نے جب نبی پاک ﷺ کی سیرت کا غلط نقشہ پیش کر کے دی لائف آف محمد کتاب لکھی تو آپ نے خطبات احمدیہ کے نام سے اس کتاب کی ایک قوی دلائل سے رد لکھ کر اس امت پر احسان کیا۔ ہندوستان میں تعلیمی خدمات کا جال بچھایا تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی تھے۔ تفسیر القرآن کے نام سے سورت طٰہٰ تک قرآن کی تفسیر لکھی تھی۔ اس کے علاوہ اسباب بغاوت ہند، خطبات احمدیہ وغیرہ ان کے تصانیف ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ "حِجر" میں تھے۔

تیسری حدیث میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ حرمِ کعبہ میں تھے۔

سرسید احمد خان 'تفسیر القرآن' میں زمانہ معراج کے عنوان سے رقمطراز ہیں:

"بخاری شریف میں شریک کی روایت سے ایک حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں "قبل ان یوحیٰ الیه" یعنی اسراء آنحضرت کو وحی یعنی نبی ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ مگر خود محدثین نے بیان کیاہے کہ وہ الفاظ اسراء سے متعلق نہیں ہیں۔

معراج کا واقعہ کب پیش آیا اس باب میں مندرجہ ذیل مختلف اقوال ہیں:

- ہجرت سے ایک برس پہلے ربیع الاول کے مہینہ میں۔
- ہجرت سے ایک برس پانچ ماہ پہلے شوال کے مہینے میں۔
- ہجرت سے ایک برس تین مہینے پہلے ذی الحجہ میں۔
- ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے۔
- ہجرت سے تین برس پہلے۔
- نبوت کے پانچ برس بعد۔
- نبوت سے بارہ برس بعد بعضوں کے نزدیک ابو طالب کی موت سے پہلے اور بعض کے نزدیک ابو طالب کی موت کے بعد۔
- نبوت کے تیرھویں برس ربیع الاول یا رجب میں۔
- ہجرت سے سولہ مہینے قبل ذی قعدہ کے مہینے میں اور بعض کے نزدیک ربیع الاول میں۔
- ستائیسویں تاریخ رجب کے مہینہ میں۔
- رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو۔
- رمضان کے مہینہ کی ستائیسویں تاریخ میں ہفتہ کی رات کو۔

اور آخر میں ان اقوال کے بیان کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ تمام اختلافات جو ہم نے بیان کیے علامہ بدرالدین عینیؒ کی شرح بخاری میں ذکر ہیں۔[11]

سرسید احمد خان صاحب کی غرض یہ ہے کہ ان تضادات کی رو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ معراج بیداری کا نہیں بلکہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔اس کے بعد سرسید نے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور موطاء کی روایات ذکر کی ہیں جن میں باہمی تضادات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جن میں سے چند احادیث کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ آخر ان تضادات کی حقیقت کیا ہے جس کی بنا پر سرسید احمد خان صاحب نے اس واقعہ کی حقیقت سے انکار کیا ہے۔

11۔ سرسید احمد خان، تفسیر القرآن واصولہ، سورت بنی اسرائیل، ج:۲، ص:۲

تضاددوم:

تضاد کی ایک دوسری مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے چھٹے آسمان کے متعلق فرماتے ہیں:

" ثُم صُعِدَ بی اِلیٰ السماءِ السادسةِ فاذا موسیٰ". 'پھر وہاں سے جب مجھے چھٹے آسمان کی طرف لایا گیا تو وہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی'۔

ایک اور رویات میں وارد ہے کہ "ثُم بعدذٰلک عرج بنا الیٰ السماء السادسة فاذا انا بموسیٰ فرحب لی ودعا لی". 'وہاں سے ہمیں آسمان ششم کی طرف اوپر لایا گیا وہاں میں نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات کی، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے دعا کی'۔یعنی اس میں خوش آمدید اور دعا کا بھی تذکرہ ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت مبارک میں وارد ہے:"فلما جاوزت بکی "جب میں وہاں سے آگے کی طرف بڑھا تو کلیم اللہ روپڑے۔[12]

یعنی اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

تضادسوم:

یہ روایات بخاری مسلم کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہیں اور ان کے مذکورہ بالا تضادات کے علاوہ من جملہ تضادات میں یہ بھی ہے کہ خود بخاری شریف کے اندر بقول سرسید ایسا تضاد بھی موجود ہے کہ بعض احادیث میں یہ ہے کہ جب آپ پر ۵۰ نمازیں فرض کی گئیں اور آپ واپس آرہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ اللہ نے تحفے میں کیا دیا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔تو سیدنا موسیٰ نے یہ کہہ کر واپس بھیجا کہ 'ارجع الیٰ ربک فسله التخفیف واپس چلے جائیں اور اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کریں۔آپ ﷺ واپس ہوئے اور بار بار مراجعہ کرتے بالآخر نمازیں پانچ ہو گئیں۔تو بعض روایات میں ہے کہ پانچ پانچ نمازیں کم کرتے کرتے پانچ نمازیں رہ گئیں اور بعض روایات میں ہے کہ دس دس نمازیں کم کرتے کرتے پانچ نمازیں رہ گئیں۔

تضادات کی حقیقت:

اگر ہم ان احادیث پر ذرا بھی غور کریں کہ کیا ان روایات میں کوئی تضاد ہے بھی؟ تو جواب نفی میں ہوگا کہ ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔کیونکہ حجر اور حطیم ایک چیز ہے۔یہ دراصل کعبہ کا حصہ تھا جس کو قریش نے اس وجہ سے باہر رکھا کہ جب سیلاب آیا تھا اور انہوں نے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا اور ان کے پاس حلال کمائی کی کمی تھی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ جتنا حلال مال ہمارے پاس ہے اس پہ ہم کعبہ کی تعمیر کریں گے اور جب مال ختم ہو جائے تو باقی تعمیر کو چھوڑ دیں گے۔لہٰذا جب حطیم تک پہنچ گئے تو مال ختم ہوا اور یوں حطیم کو مجبوراً باہر رکھا گیا۔یہ حصہ مسجد حرام ہی کا حصہ ہے اور یہاں کا حکم وہ ہے جو کعبہ کے اندر کا ہے۔(شاید اللہ کو یہی منظور تھا کیونکہ ہم جیسے فقیروں کو بھی یہاں نماز اداء کرنے کی بھی توفیق ملتی

12۔ سرسید احمد خان و مقالات سرسید، ج:۱۱، ص:۷۴۹

ہے ورنہ کعبہ کے اندر تو صرف شاہان ہی کو اجازت ملتی ہے)لہٰذا ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جیسا کہ مدینہ اور یثرب ایک جگہ ہے۔ مکہ اور ام القریٰ ایک جگہ ہے۔

احادیث مبارکہ پر اگر غور کیا جائے تو عقل خود یہ فیصلہ کرتی ہے کہ ان احادیث میں آخر کون سا تضاد ہے جس کی بنیاد پر سرسید احمد خان صاحب نے ان احادیث کو رد کیا ہے۔ ان احادیث میں کوئی حقیقی تعارض نہیں ہے۔ البتہ بعض روایات ایسی ضرور ہیں جن میں ظاہری تضادات دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن ان احادیث کے متعلق خود علماء نقد کی تصریحات موجود ہیں کہ جو حدیث صحیح لذاتہ ہو اور صحیح الاسناد ہو اس کو دوسرے حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔ اس قسم کا تضاد اگر احادیث کے درمیان آجائے تو کوئی مضر نہیں ہے۔ دراصل تضاد اس وقت ہے جب دو روایتیں ایک ہی مرتبے کی ہوں یعنی دونوں قوت میں برابر اور صحیح ہوں، کسی بھی حدیث کو کسی پر ترجیح نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع کرنا ناممکن ہو۔ لیکن یہاں مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ ان روایات کو باہم جمع نہ کیا جا سکے بلکہ ان روایات کو محدثین نے جمع کر کے ان کے درمیان تطبیق کا راستہ نکالا ہے جو کہ اصول حدیث کے قواعد کے عین مطابق ہے۔

ہم ان روایات پر غور کرتے ہیں کہ ان میں آخر کون سا تضاد ہے؟ مثلاً ایک روایت یں لفظ " صعود " ہے اور دوسری میں لفظ "عروج " ہے۔ تو یہ نقل بالمعنیٰ ہے اور دونوں الفاظ مترادفہ ہیں، عروج اور صعود دونوں کے معنی ہیں اوپر جانا اور چڑھنا۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے " صعد بی "اور دوسری حدیث میں ہے" عرج بنا "یعنی ایک میں صیغہ واحد متکلم ہے اور دوسری میں صیغہ جمع متکلم مع الغیر ہے۔ تو یہ بھی کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ اس سفر میں آپ تنہا نہیں تھے بلکہ جبرئیل بھی ان کے ساتھ عازم سفر تھے۔ تو "صعدبی " سے مراد یہ ہے کہ مجھے اوپر لے جایا گیا کیونکہ اصل مہمان اور مقصود بھی جناب محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور جس روایت میں "عرج بنا" کا صیغہ ہے تو اس سے مراد جبرئیل اور نبی پاک ﷺ دنوں ہیں کیونکہ دونوں شریک سفر تھے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ "فاذا موسیٰ" کہ میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور دوسری روایت میں ہے کہ "فاذا انا بموسیٰ فرحب لی ودعالی" تو یہاں بھی کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جب نبی پاک ﷺ کو چھٹے آسمان میں لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام موجود تھے۔ یہی حدیث کا مصداق ہے اور جس روایت میں ہے کہ موسیٰ نے مجھے مرحبا کہہ کر میرا استقبال کیا تو دراصل بات یہ ہے کہ جب آپ چھٹے آسمان پر پہنچے تو ظاہر ہے کہ جب سیدنا موسیٰ نے دیکھا کہ خاتم النبیین اور افضل المرسلین آرہے ہیں تو آپ کے آنے کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ استقبال کرتے اور استقبال کر بھی لیا۔ اور آپ ﷺ کے لیے موسیٰ کا دعا کرنا یہ بھی کوئی قابل اعتراض شے نہیں ہے۔ کیونکہ دعا تو افضل عبادت ہے بلکہ مخ العبادۃ اور مغز عبادت ہے لہٰذا اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

اسی طرح تیسری روایت پر اگر ہم نظر دوڑائیں تو اس میں ہے کہ جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ دراصل صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے سیدنا جبرئیل سے پوچھا کہ موسیٰ کیوں روتے ہیں؟ تو جبرئیل نے آکر موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ لم تبکی؟ آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ لڑکا مجھ سے بعد میں مبعوث کیا گیا ہے اور اس کے امتی میرے امتیوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ تو اس روایت میں یہ اضافہ ہے۔ یہاں جو سوال سرسید کا ہے کہ اس روایت میں بکاء کا اضافہ

ہے جو دوسری روایات میں نہیں ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادت ہے۔اور زیادت جب کوئی ثقہ راوی کرتا ہے تو یہ مقبول ہوتی ہے۔شرح نخبۃ الفکر میں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ[13] فرماتے ہیں" وزيادة الثقة مقبولة عندنا"، ثقہ راوی کی زیادت قابل قبول ہے۔

البتہ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ تو حسد ہے موسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ کہ آپ پوچھنے پر بتا رہے ہیں کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ اس کی امت میری امت سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔حالانکہ حضرات انبیاء حسد جو کہ گناہ کبیرہ ہے سے محفوظ اور معصوم ہیں۔تو یہاں کیسے حسد کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہو رہی ہے؟ تو اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حسد نہیں ہے بلکہ غبطہ ہے اور غبطہ جائز ہے۔حسد تو"تمنى زوال النعمة عن الغير "کو کہتے ہیں کہ اے اللہ اس نعمت کو اس سے لے لیں خواہ مجھے ملتی ہے یا نہیں لیکن اس غیر سے لے لیں۔اور غبطہ یہ ہے کہ اللہ مجھے بھی اس جیسا دے دیں ان سے نہ لیں۔تو یہ ایک جائز عمل ہے،امام بخاری نے اس کے جواز کی اثبات کے لیے باب قائم کیا ہے"باب الاغتباط" یہ باب غبطہ کے بیان میں ہے۔تو موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ کاش ہم دونوں اکٹھے جنت میں داخل ہوں اور ہمارے امتی بھی ہمارے ساتھ جائیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ کا رونا غم کا نہیں بلکہ خوشی کا رونا تھا کہ یہ میرے بعد آئیں ہیں لیکن ان کی قابلیت کو دیکھیں کہ کتنے قابل اور افضل ہیں کہ مجھ سے بھی پہلے جنت میں جائیں گے۔دراصل یہ ایسا ہے کہ ایک استاد اپنے شاگرد کی قابلیت دیکھ کر خوشی محسوس کرتا ہو اور اسے دیکھ کر خوشی کے مارے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل جائے اور خوشی کا رونا روئے۔

سرسید احمد کا ایک اور اعتراض

یہ روایات بخاری و مسلم کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہیں اور ان کے مذکورہ بالا تضادات کے علاوہ من جملہ تضادات میں یہ بھی ہے کہ خود بخاری شریف کے اندر بقول سرسید ایسا تضاد بھی موجود ہے کہ بعض احادیث میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں تو جب آپ ﷺ واپس آرہے تھے اور موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر آپ ﷺ سے پوچھا کہ رب نے کیا دیا تحفے میں تو آپ نے جواب دیا کہ پچاس نمازیں۔تو موسیٰ علیہ السلام نے" ارجع الى ربک فسله التخفيف "،'واپس جائیں اور اپنے رب سے تخفیف کی درخواست کریں' کہہ کر واپس بارگاہ خداوندی میں جانے کو کہا کہ آپ واپس ہوئے اور بار بار مراجعہ کرتے کرتے بالآخر نمازیں پانچ ہو گئیں۔تو بعض روایات میں ہے کہ پانچ پانچ نمازیں کم کرتے کرتے پانچ نمازیں رہ گئیں اور بعض روایات میں ہے کہ دس دس نمازیں کم کرتے کرتے پانچ نمازیں رہ گئیں۔دراصل اعتراض یہ ہے کہ ان دونوں میں پانچ اور دس کی تضاد ہے اور حال یہ ہے کہ دونوں ایک ہی کتاب کی حدیثیں ہیں۔تو کیوں ایک محدث ایک کتاب میں ایک ہی رویات کو لاتا ہے اور ایک میں پانچ اور ایک میں دس کا ذکر ہے۔

---

13 شہاب الدین ابوالفضل،احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی،کنیت عسقلانی،اور شافعی المسلک ہیں۔موصوف سن ۷۷۳ ہجری میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائے علم ،ادب سے کی اور شعر وادب میں درجہ کمال تک پہنچنے کے بعد علم حدیث کے حصول کے لیے یمن اور مصر چلے گئے اور وہاں ابوالفضل عراقیؒ سے تخصص فی الحدیث کیا۔ مشہور تصنیفات میں سے فتح الباری شرح صحیح البخاری،الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ،بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام وغیرہ شامل ہیں۔آپ سن ۸۵۲ ہجری میں فوت ہوئے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ یہاں اجمال اور تفصیل کا اختلاف ہے کہ ایک حدیث میں اجمال ہے دس دس نمازوں کی تخفیف کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں تفصیل ہے کہ پانچ پانچ نمازوں کی تخفیف کا ذکر ہے اور مضمون دونوں کا ایک ہے کہ پچاس نمازوں میں تخفیف کرتے کرتے پانچ نمازیں چھوڑ دی گئیں۔اور ان پانچ نمازوں پر ثواب انہیں پچاس جیسا دیا جائے گا۔ مولانا شاہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ [14]فرماتے ہیں کہ اس کو کہتے ہیں" القاء المراد مرة بعد اخرىٰ "اور یہ نسخ نہیں ہے یعنی مراد یہی تھا کہ پچاس نہیں بلکہ یہ پانچ نمازیں ہوں گی لیکن اس کا ثواب پچاس جیسا ہو گا تو بات کو ذہن میں بٹھانے کی خاطر یوں کیا کہ اول پچاس فرض کی گئیں اور بالآخر پانچ کر دی گئیں۔ لہٰذا ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ یہ نقل بالمعنیٰ ہے بعض راوی اختصار کے ساتھ اور بعض تفصیل کے ساتھ اپنے الفاظ میں روایت نقل کرتے ہیں۔اور ایک تیسرا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف معتبر عندالاحناف نہیں ہے اور عدد اقل عدد اکثر کے مخالف نہیں ہے۔ یہ وہ شکوک وشبہات تھے جن کے سہارے کسی نہ کسی طریقے سے یہ متجددین جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

معراج النبی ﷺ کے حوالے سے اہل سنت والجماعت کا مسلک:

معراج کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ واقعہ معراج عالم منام کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے اور جسماً اور روحاً ہوا ہے اور اسی لیے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔

وہ لوگ جو اس واقعہ کو عالم منام کا واقعہ سمجھتے ہیں وہ نہایت زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرآن صاف کہتا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے اسی لیے تو قریش نے اس واقعہ کا مذاق اڑایا، اگر واقعی یہ عالم منام کا واقعہ تھا تو وہ لوگ کیوں اس کا مذاق اڑاتے۔ پھر تو وہ بلا تامل تسلیم کرتے کیونکہ بسا اوقات لوگ خوابوں میں آسمانوں کی سیر کرتے ہیں اور کوئی بھی اس پر حیرت کا اظہار نہیں کرتا۔البتہ اس پر یہ شک کیا جاسکتا ہے کہ ایک آیت میں صاف اس واقعہ کو خواب کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا اور خواب تھا۔اللہ فرماتے ہیں" وما جعلنا الرؤيا التى اريٰنک الافتنة للناس "[15]۔ یہاں اس آیت میں لفظ رؤیا موجود ہے اور رؤیا کا معنی خواب ہے۔ یعنی لوگوں کے امتحان کے لیے خواب دکھایا گیا۔قرآن نے جب خود تصریح کی ہے کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے ؟۔

---

[14] شیخ علامہ انور شاہ بن معظم شاہ الحسینی الحنفی کشمیری ہیں۔ ۲۷ شوال ۱۲۹۲ء کو کشمیر میں پیدا ہوئے۔ بیس اکیس سال کی عمر میں دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کیا۔ اساتذہ میں اسحاق الامر تسری، خلیل احمد الانبھلوی اور محمود الحسن دیوبندی شامل ہیں۔ فیض الباری شرح البخاری، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین، نیل الفرقدین فی مسالۃ رفع الیدین اور مشکلات القرآن آپ کی تصانیف ہیں۔ ۱۳۵۲ھ کو فوت ہوئے۔ حافظ محمد اکبر شاہ، اکابر علماء دیوبند، ص ۹۱۔ ادارہ اسلامیات ۱۱۹۰، انار کلی لاہور پاکستان۔

[15]۔ سورت الاسراء: ۱۷: ۶۰

ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ واقعہ معراج سے آیت اسراء کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق کسی دوسرے خواب سے ہے۔اور نہ یہاں معراج کا ذکر ہے۔اگرچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ خواب ہی کا واقعہ ہے لیکن ابن عباس[16] نے بات صاف بیان کی کہ یہاں آنکھوں دیکھا حال ہے نہ کہ خواب کا۔آپ بیان کرتے ہیں کہ یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔فرماتے ہیں:

"قال ابن عباس هی رؤیا عین اُرِیَھارسول اللہ ﷺ"[17]'عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آنکھوں دیکھا حال تھا جسے رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا ہے'۔

مشہور محدث محمد ابن العربی[18] نے تفسیر احکام القرآن میں عبداللہ ابن عباس کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"ولوکانت رؤیا منام مَاافتتن بھا اَحَد وَلَا اَنکرھا فانہ لایَستبعِد علی احد یری نفسہ فی المنام انہ یَخترقُ السمٰوٰت ثم یجلس علیٰ الکرسی ویکلمہ الرب تبارک وتعالیٰ"[19]اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلاء نہ ہوتا۔اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا، کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خواب میں یوں دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے، حتیٰ کہ وہ کرسی پر جا بیٹھتا اور اللہ تعالیٰ سے محوِ گفتگو ہے تو ایسے خواب کو کبھی بھی بعید اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ "فلما استیقظت کنت فی المسجد"[20]جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا'۔

اس حدیث کے متعلق علماء نقد کے آراء کیا ہیں ہم اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سید محمود آلوسی بغدادیؒ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے ایک راوی شریک نے نقل کیے ہیں اور ان کے بارے علماء نقد لکھتے ہیں کہ "رواہ شریک ھٰذااللفظ عن انس وکان قد تغیر بآخرہ" دوسری روایت میں ہے۔" شریک لیس بالحافظ عند اہل الحدیث"[21]

16عبداللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب ہیں۔ نبی ﷺ کے چچازاد بھائی اور صحابی ہیں۔ ہجرت سے تین سال پہلے ۶۱۹ کو مکہ میں پیدا ہوئے۔ ترجمان القرآن کے لقب سے نوازے گئے ہیں۔ طائف میں ۲۸ھ/۶۸۷ء میں وفات پائی۔ابن الاثیر،ابو الحسن علی بن محمد،اسد الغابہ، تحقیق: عادل احمد الرفاعی،دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء ج۳،ص ۲۹۵

17۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، ابواب التفسیر، الاسراء، ج:۲،ص:۱۴۱

18ابو بکر محمد بن عبداللہ بن محمد المعافری۔ ۴۶۸ھ میں اشبیلہ میں پیدا ہوئے۔ ۴۸۵ھ میں اندلس ہجرت کی۔ ابو طلحہ نعالی، الحلعی اور ابو الفضل بن الفرات سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام المازری، امام غزالی اور ابو بکر الشاشی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ مالکی المسلک تھے۔ مورخ، قاضی، مفسر قرآن اور فقیہ و محدث تھے۔ امام غزالی اور امام طرطوسی کو اپنا پیشوا سمجھتے تھے۔ ۱۱۴۸ میں فوت ہوئے تھے۔ فاس میں مدفون ہے۔ احکام القرآن تفسیر کے مصنف تھے۔

19۔ محمد ابن العربی اندلسی، احکام القرآن، ج:۳،ص:۱۹۵

20 قاضی عیاض، الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ، مطبوعہ دار الکتاب، بیروت لبنان، ج:۱،ص:۲۵۳

21علامہ شہاب الدین آلوسی، بغدادی حنفی، روح المعانی، ج:۱۵،ص:۶

فیعَوَّل علیٰ روایات الجمیع"[22] یہ لفظ شریک نے انس سے روایت کیا ہے اور ان کا حافظہ آخری عمر میں نہایت کمزور ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان کی روایت کے بجائے اس روایت پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی راویوں نے بیان کیا ہے۔

امام زہری، ثابت البنانی اور قتادہ بن دعامہ سدوسی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں ہیں معلوم ہوا کہ یہ الفاظ شاذ ہیں۔"وقد رویٰ حدیث الاسراء من انس جماعة من الحفاظ المتقنین والائمة المشهورین کابن شهاب وثابت البنانی وقتاده فلم یات احدمنهم بما اتی به شری"[23]

علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی[24] لکھتے ہیں" ثم استیقظت فاذا انا فی الحجر معدود فی غلطات شریک"[15]،"جب میں بیدار ہوا تو میں حطیم میں تھا' یہ الفاظ شریک کی غلطیوں میں شمار ہوتے ہیں'۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آثار سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے۔ ان کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ منام کا واقعہ تھا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نسبت درست نہیں ہے اور اگر حدیث ثابت بھی ہو جائے تو جمہور کے قول کو ترجیح دی جائے گی اور ان کا قول شاذ کہلائے گا، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ اس وقت بالکل ہی چھوٹی بچی تھیں، اور سیدنا امیر معاویہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ نیز یہ رائے ان کی ذاتی ہے اور دین کسی کی رائے کا نام نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کا نام دین اسلام ہے۔

علامہ ابو حیان اندلسی اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"وما روی عن عائشة ومعاوية انه کا ن مناماً فلعله لایصح ولوصح لم یکن حجة لانهما لم یشا هدا ذٰلک لصغر عائشة وکفرمعاوية ولانهما لم یسنداذٰلک الیٰ رسول اللہ ﷺ ولاحدثا به عنه"[25] حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ سے جو بات مروی ہے کہ واقعہ معراج عالم منام کا واقعہ ہے تو یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ دونوں اس وقت نہیں تھے حضرت عائشہ صغر سنی کی وجہ سے اور حضرت معاویہؓ کے کفر کی وجہ سے کہ وہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے اور نہ ان دونوں نے اس بات کو رسول خدا کی جانب منسوب کیا ہے اور نہ ان سے روایت کی ہے۔

واقعہ معراج کے متعلق مولانا مودودیؒ کا مدلل موقف:

تفہیم القرآن میں سورت اسراء کی تشریح میں مولانا مودودیؒ واقعہ معراج کے بارے میں فرماتے ہیں:

22 محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی المعافری المالکی، احکام القرآن، ج:۳، ص:۱۹۴

23 علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی حنفی، روح المعانی، ج:۱۵، ص:۸

24 ابو الفداء حافظ اسماعیل عماد الدین ابن کثیر الدمشقی الشافعی، ۷۰۰ھ میں شام کے شہر بصریٰ میں پیدا ہوئے تھے۔ مفسر، مورخ اور محدث تھے۔ امام ابن تیمیہ کے خصوصی شاگرد تھے۔ قرآن کریم کے مشہور تفسیر تفسیر القرآن العظیم میں تفسیر القرآن بالحدیث کے منہج پر تصنیف کیا ہے۔ البدایہ والنہایہ، الہدیٰ والسنن، طبقات الشافعیہ، مناقب امام الشافعی آپ کے مشہور تصانیف تھے۔ مسلک شافعی کے علمبردار تھے۔ امام موصوف ۷۷۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔

25 ابو حیان، محمد بن یوسف بن علی بن حیان، الاندلسی، تفسیر البحر المحیط، ج:۶، ص:۵

"معراج النبی ﷺ کا یہ سفر کس نوعیت کا تھا؟ یہ عالم منام میں پیش آیا تھا یا بیداری میں؟اور کیا نبی کریم ﷺ بذات خود تشریف لے گئے تھے یا اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض روحانی طور پر آپ ﷺ کو یہ مشاہدہ کرایا گیا؟

قرآن کریم خود اس کا جواب دیتا ہے۔"سبحٰن الذی اسریٰ "پاک ہے وہ ذات جنہوں نے آپ کو رات کی تاریکی میں روانہ کیا۔'سبحان' کے ان الفاظ سے بیان کی ابتداء کرنا خود یہ بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارق عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالی کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔ ظاہر ہے کہ خواب میں کسی شخص کا اس طرح کی چیزیں دیکھ لینا، یا کشف کے طور پر دیکھنا یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اسے بیان کرنے کے لیے اس تمہید کی ضرورت ہو کہ 'تمام کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو یہ خواب دکھایا یا کشف میں یہ کچھ دکھایا'۔ پھر یہ الفاظ بھی کہ "اسریٰ بعبدہ"'ایک رات اپنے بندے کو لے گیا۔ لہٰذا ہمارے لیے یہ تسلیم کیے بغیر کوئی راستہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کرایا۔

اب اگر ایک رات میں ہوائی جہاز کے بغیر مکہ سے بیت المقدس جانا اور آنا اللہ کی قدرت سے ممکن تھا، تو آخر ان دوسری تفصیلات کو ناممکن کہہ کر کیوں رد کر دیا جائے جو حدیث میں وارد ہیں؟ ممکن اور ناممکن کی بحث تو صرف اس صورت پیدا ہوتی ہے جب کہ کسی مخلوق کے خود کوئی کام کرنے کا معاملہ زیر بحث ہو۔ لیکن جب ذکر یہ ہوا کہ خدا نے فلاں کام کیا، تو پھر امکان کا سوال وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو۔اس کے علاوہ جو دوسری تفصیلات حدیث میں آئی ہیں ان پر منکرین حدیث کی طرف سے متعدد اعتراضات کیے جاتے ہیں، مگر ان میں سے صرف دو ہی اعتراضات ایسے ہیں جو وزن رکھتے ہیں:

ایک یہ کہ اس سے اللہ تعالی کا کسی خاص مقام پر مقیم ہونا لازم آتا ہے، ورنہ اللہ کے ہاں بندے کی پیشی کے لیے ضرورت کیا تھی کہ اسے سفر کرا کے ایک مقام خاص تک لے جایا گیا؟

دوسری بات یہ کہ نبی اکرم ﷺ کو جنت و جہنم کا مشاہدہ کرایا گیا۔ بعض لوگوں کو عذاب میں دیکھا، سود خور کی سزا دکھائی گئی۔ زناکار عورتوں کا سزا میں مبتلا ہونا دکھایا گیا، بے نمازیوں کی سزا دکھائی گئی۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ جب فیصلہ یوم آخرت میں ہونا ہے تو آپ کو پہلے یہ سزائیں کیوں دکھائی گئیں؟

لیکن جب سوچا جائے تو یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ دراصل یہ دونوں اعتراضات قلت فکر کا نتیجہ ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خالق کا معاملہ تو مخلوق سے بالکل جدا ہے۔اس کی اپنی ایک اطلاقی شان ہے۔ مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں اپنی کسی کمزوری کی بنیاد پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوریوں کے بنیاد پر محدود وسائط اختیار فرماتا ہے، مثلاً جب وہ مخلوق سے کلام کرتا ہے تو کلام کا وہی طریقہ استعمال کرتا ہے جس کو ایک انسان سن بھی سکے اور ساتھ سمجھ بھی سکے حالانکہ بجائے خود اس کا کلام ایک اطلاقی شان رکھتا ہے،اس طرح جب وہ اپنے بندے کو اپنی سلطنت کی عظیم الشان نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو انسان کی سمجھ بوجھ کے مطابق دیکھاتا ہے۔اور جہاں جو شے دکھانی ہوتی ہے وہی دکھاتا ہے کیونکہ بندہ ساری کائنات کو بیک وقت اس طرح نہیں دیکھ سکتا ہے جس طرح خدا دیکھتا ہے، خدا کو کسی چیز کی مشاہدے کے لیے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر بندے کو ہوتی ہے، یہ معاملہ خالق کی حضور میں پیش ہونے کا بھی ہے کہ خالق تو بذات خود کسی مقام پر متمکن نہیں ہے اور نہ کسی مقام کا محتاج ہے جیسے ابن قیمؒ قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:" ورب العرش فوق العرش لکن بلاوصف التمکن والاتصال" کہ عرش کا مالک عرش کے اوپر ہے لیکن

بغیر کسی تمکن اور اتصال کے وصف کے۔ مگر بندہ اس کی ملاقات کے لیے ضرور ایک جگہ کا محتاج ہے جہاں اس کے لیے تجلیات کو مرکوز کیا جائے ورنہ اس کی شانِ اطلاقی ہے، اس سے ملاقات بندہ محدود کے لیے ممکن نہیں ہے۔

جہاں تک دوسرے اعتراض کی بات ہے تو وہ اس لیے غلط ہے کہ معراج کے موقع پر جو بے شمار مشاہدات نبی اقدس ﷺ کو کرائے گئے تھے، ان میں بعض حقیقتوں کو ممثل کر کے دکھایا گیا تھا۔ جیسے زناکاروں کی یہ تمثیل کہ ان کے پاس تازہ نفیس گوشت موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔ اس طرح برے اعمال کی جو سزائیں آپ کو دکھائی گئیں وہ بھی تمثیلی رنگ میں عالم آخرت کی سزاؤں کا پیشگی مشاہدہ تھیں۔

معراج کے سلسلے میں جو بنیادی بات سمجھ لینی چاہئے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالی نے ان کے مقام اور مرتبے کی مناسبت سے آسمانوں اور زمینوں کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادہ کے حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہی حقیقتیں دکھائی ہیں، جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کیے گئے تھے۔ تاکہ ان کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بلکل ممیز ہو جائے، فلسفی جو کچھ بھی کہتا ہے قیاس اور گمان سے کہتا ہے، وہ خود اگر اپنی حیثیت سے واقف ہوں تو کبھی اپنی کسی رائے کی صداقت پر شہادت نہ دے گا۔ مگر انبیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ براہ راست علم اور مشاہدے کی بنا پر کہتے ہیں، اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔[26]

معراج نبوی ﷺ کی تاریخ اور وقوع:

اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو ہوا؟ ایک دفعہ ہوا یا کئی بار ہوا؟ صحیح و مستند روایات کے مطابق معراج نبوی صرف ایک دفعہ ہوئی۔ جو لوگ متعدد کے قائل ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیات معراج کے بیان میں اختلاف ہے اس لیے انہوں نے رفع اختلاف کے لیے متعدد معراجوں کا وقوع تسلیم کیا ہے۔[27] تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جائے۔ لیکن درحقیقت یہ محض ایک مفروضہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور اس کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مستند اور صحیح ترین روایات ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان میں تعدد معراج کا اشارہ تک نہیں ہے۔ ایک ایسے اہم مافوق البشری مشاہدے اور طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا جب مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور جس قدر تھی وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھے اور ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے رواۃ اکثر وہ لوگ ہیں جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبل ہجرت کے واقعات کی ذاتی اور بلاواسطہ واقفیت نہ تھی، اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقع ہوا ہے تو ان کی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں۔ خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں، ان کے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں تو ترتیب واقعات اور دیگر جزئی امور میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے، بایں ہمہ اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزاء کے وقوع میں شک و شبہ نہ ہوگا۔

---

26 سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، تفسیر سورۃ الاسراء، حاشیہ نمبر ۱، ج: ۲، ص: ۵۸۹-۵۹۰

27 السہیلی روض الانف، شرح سیرت ابن ہشام، طبع مصر، ج: ۱ ص: ۲۴۴

بعض ارباب سیر نے دودفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے جن میں وہ ایک کو اسراء اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں۔قرآن میں اسراء اور احادیث میں معراج کا نام آیا ہے۔انہوں نے اس کی ضرورت اس لیے سمجھی ہے کہ قرآن مجید میں سورت اسراء کا جو بیان ہے اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا حالانکہ معراج میں تو آسمان تک کا سفر ہوا ہے اور عجیب وغریب واقعات پیش آئے ہیں اور بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ یہ خواب تھا۔ بہر حال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا۔ قرآن مجید کے الفاظ خواب و بیداری دونوں کے متحمل ہیں۔اس بناء پر اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جسمانی معراج ایک دفعہ ہوئی ہے۔

علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ یہی جمہور محدثین، متکلمین اور فقہاء کی رائے ہے اور روایات صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے۔[28] حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلاف سیاق احادیث ٹھہرایا ہے۔

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعین میں دشواری یہ ہے کہ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے کہ جب تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا، قرآن خود بتاتا ہے "اسریٰ بعبدہ لیلاً" یعنی لے گیا اللہ اپنے بندے کو رات کے وقت۔اور تمام روایات اس پر باللفظ متفق ہیں۔ لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایت صحیحہ اس کی تصریح موجود نہیں ہے۔ارباب سیر نے بعض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں نقل کی ہیں لیکن ان کی تصریحات مختلف ہیں تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی کے بعد ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو کہ مکہ معظمہ میں پیش آیا۔اور صحابہ چونکہ تاریخ کے بجائے ایک شے کی حقیقت پر نظر رکھتے تھے اسی طرح جزئیات پر کوئی دھیان نہیں رکھتے تھے اسی وجہ سے اس کی تاریخ میں اختلاف آرہا ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے نفس واقعہ کی صداقت پر کوئی ضرب نہیں آتی کیونکہ نفس مسئلہ تواتر سے ثابت ہے۔اسی طرح واقعہ معراج میں اہم نوعیت کے مسائل بھی ہیں جن کا ثبوت کسی نقلی دلیل کا محتاج نہیں ہے اور اس کے تاریخ میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف پایا جاتا ہے جیسے میلاد النبی ﷺ کا مسئلہ کہ اس میں بھی شدید اختلاف ہے کہ نبی پاک ﷺ کی ولادت 12 ربیع الاول کو ہوئی ہے یا 9 کو، اسی طرح 20 اور 22 کے بھی اقوال موجود ہیں حالانکہ نبی کی پیدائش تو بدیہی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے ۔بالکل واقعہ معراج میں تاریخ کا اختلاف اسی نوعیت کا ہے۔

مہینہ کی تعین کے متعلق ارباب سیر کے پانچ اقوال ہیں:

- کوئی کہتا ہے کہ ربیع الاول میں ہوا ہے۔
- کسی نے ربیع الآخر کی روایت کی ہے۔
- بعض رجب کی تعین کرتے ہیں۔
- بعض رمضان کہتے ہیں۔

[28] احمد بن محمد زرقانی، شرح مواہب الدنیہ، ج:۱، ص:۵۵

- بعض شوال کہتے ہیں۔ یہ آخری قول امام سدی کا ہے۔ جس کو ابن جریر طبریؒ اور امام بیہقیؒ نے نقل کیا ہے۔اس کی روایت ہے کہ معراج ہجرت سے 17 مہینے پہلے واقع ہوئی ہے، ہجرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے، اس بناء پر 1 مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا۔ یا آغاز شوال، لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

امام واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں:

1۔ایک یہ کہ ہفتہ کی شب تھی، 17 تاریخ تھی، رمضان کا مہینہ تھا۔ ہجرت سے اٹھارہ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے۔

2۔دوسری یہ کہ یہ ہجرت سے ایک سال پہلے 17 ربیع الاول کا واقعہ ہے۔واقدی نے ان روایات میں کسی قدر تصریح کے ساتھ دن، تاریخ اور وقت بتادیا ہے لیکن ہمارے علماء رجال کی عدالت میں ان کی شہادت کوئی بڑی قدر و قیمت نہیں رکھتی، چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت اور تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے اسی قدر وہ قول زیادہ معتبر نہیں کیونکہ اس کی سند ناتمام ہے، دوسرے مہینوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں، ابن قتیبہ دینوری المتوفی 267ھ اور علامہ ابن عبدالبر المتوفی 463ھ نے رجب کی تعین کی ہے اور متاخرین میں امام شافعی اور امام نووی[29] نے اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے بلکہ 27 رجب کی بھی تصریح کردی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے۔کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل بھی نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔اس مسئلے کے حل کی ایک اور صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقل کردہ قیاسات، استنباطات اور مجادلات سے، جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں، قطع نظر کرلیا جائے اور دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں اور کثرت روایت اور گمان صحت کا راجح پہلو کس کی جانب ہے۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ماخوذ از سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی[30]

1۔ربیع الاول ہجرت سے ایک سال قبل	ابن سعد بواسطہ امام واقدی بواسطہ عبداللہ بن عمر بن العاص، ام سلمہ، عائشہ صدیقہ، ام ہانی	ابن سعد نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابہ سے نقل کی ہے۔
2۔ہجرت سے ایک سال قبل	موسیٰ بن عقبہ بواسطہ امام زہری	موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت میں سے ہے۔
3۔ہجرت سے ایک سال قبل	امام زہری بواسطہ سعید ابن صہیب	موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت میں سے ہے۔
4۔ہجرت سے ایک سال قبل	عروہ بن زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ	موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت میں سے ہے۔
5۔ہجرت سے ایک سال قبل	امام قتادہ ابن دعامہ سدوسی	تابعی قتادہ سے مروی ہے
6۔ہجرت سے ایک سال قبل	امام مقاتل	تابعی مقاتل سے مروی ہے

[29] ابوزکریا یحیٰ بن شرف بن مری بن حسن نووی الشافعی ہیں۔ سوریا کے علاقے حوران کے گاؤں [نوا] میں ۶۳۱ھ، ۱۲۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے دمشق گئے اور طویل مدت تک اقامت پذیر رہے۔اپنے ہی گاؤں میں ۶۷۶ھ، ۱۲۷۷ء کو وفات پائی۔[تذکرۃ الحفاظ، ج۴۱، ص ۱۴۷۰۔الاعلام، ج۸، ص۱۴۹]۔

[30] علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج: ۳، ص: ۲۳۶-۲۳۷

7۔ہجرت سے ایک سال قبل	ابن جریج	تابعی ابن جریج سے مروی ہے
8۔27 ربیع الاول ،ہجرت سے ایک سال پہلے	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	ابرہیم بن اسحٰق تابعی سے مروی ہے
9۔ہجرت سے ایک سال پہلے	مسلم بن عقبہ	مشہور مؤرخ
10۔7ربیع الاول ہجرت سے ایک سال پہلے	عمر وبن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ع (عمروبن العاص)	مشہور صحابی اور مؤرخ
11۔ہجرت سے 17 یا16 مہینے پہلے	امام سدی	ایک غیر معتبر راوی اور مؤرخ

متاخرین نے امام زہری[31] کے انتساب سے دو اور مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ایک ہجرت سے پانچ سال پہلے اور دوسرا بعثت سے پانچ سال بعد۔پہلے قول کے ناقل علامہ حافظ ابن حجرؒ ہیں جسے فتح الباری ج7، ص155 طبع مصر میں نقل کیا ہے اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض، امام قرطبیؒ اور امام نووی شارحین مسلم اسی کے مؤید ہیں۔لیکن امام نوویؒ کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان ص91اور قسطلانی کی سیرت مواہب لدنیہ میں دوسرا قول منقول ہے۔زرقانی نے جلد اول فصل معراج میں اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے،افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں۔ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے۔اسی طرح اسد الغابہ ابن اثیر مطبوعہ مصر ص20 میں سدی کی نسبت سے لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ معراج ہجرت سے 6 مہینے "ستۃ اشہر "پہلے ہوئی ہے۔یہ درحقیقت 16 ہے۔"ستۃ اشہر "کی جگہ "ستۃ عشر شہرا " چاہیے تھا۔جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے نقل کیا ہے اور جو اس کی 17 مہینے والی روایت کے قریب قریب ہے جو طبری و بیہقی میں ہے۔چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاسی استنباط تاریخی کی بناء پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے، مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے کہ کسی اور نے اس کا ساتھ نہیں دیا ہے اور نہ کسی امہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے۔بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں واقعہ معراج کو ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے۔اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے۔اس سے اشارۃً یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ابن اسحاق کا خیال تھا کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔[32]

کیا معراج خلاف عقل ہے؟:

عقل پرست معراج النبی ﷺ کو خلاف عقل تصور کرتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ یہ پوری کائنات ایک فطری نظام کی پابند ہے۔ اور اس کے چلانے کے لیے چند قواعد اور ضوابط ہیں جنہیں قوانینِ فطرت(LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے۔یہ ایک اٹل قانون ہے اور اس میں کسی بھی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے،ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔معراج تو رسول اکرم ﷺ کا ایک معجزہ

31عبداللہ بن شہاب الزہری ہے۔جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے،یہی عبداللہ امام زہری کے دادا تھے،یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے نانا ہوں،کیونکہ عربی میں نانا اور دادا دونوں کے لئے جد کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ان کا ایک اور بھائی بھی عبداللہ تھا اسی وجہ سے آپ کو عبداللہ اصغر کہا جاتا تھا۔[الاستیعاب في معرفۃ الأصحاب،ج۳،ص۹۲۷

32ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری، تفسیر ابن جریر، سورۃ اسراء ص: ۱۵—۷۳

ہے اور معجزہ خلاف عقل ہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ اسے عقلاً ناممکن تصور کرتے ہیں۔ معجزہ کی تعریف اہل علم نے یوں کی ہے۔"الاتیان بامر خارق للعادة یقصد به بیان صدق من ادعیٰ انه رسو ل اللهﷺ"۔[33]

معجزہ وہ خرق عادت کام جس سے مدعی نبوت کی تصدیق ہو سکے۔ ان لوگوں کا اعتراض تب قابل توجہ ہوتا جب معجزہ کو قوانین قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزات قانون فطرت کے مطابق ہی ہوں لیکن ابھی تک وہ قانون فطرت ہماری سمجھ سے باہر ہوں اور اس کی حقیقت کو ہم سمجھ نہ سکتے ہوں۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین آشکارہ اور ظاہر ہو چکے ہیں اور انسانی ذہن نے ان سب چیزوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول بات ہے۔ یہ دعویٰ آج تک کسی سائنسدان یا کسی فلسفی نے نہیں کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ قوانین فطرت میں تغیر ممکن نہیں ہے تو یہ بھی محل نظر ہے۔ یہ تب درست ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے عیب سے پاک اور مبرا سمجھ لیا جائے۔ اور ان قوانین کے بارے یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ اس کائنات کی تزئین و آرائش کے لیے یہی قوانین کافی ہیں۔ یہ محض ایک خام خیالی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (MIRACLE) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ ایک غیر معقول تصوّر اور خوش فہمی ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ فطرت کا طریق کار انتاداً نشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں ہے"۔[34]

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل بھی ہیں؟۔ اگر آپ اس بات کے قطعی منکر ہیں تو پھر آپ سے ان کے متعلق بحث عبث ہے۔ سب سے پہلے تو آپ خدا کے وجود کو تسلیم کریں۔ اثبات معجزہ کی بات ثانوی ہے۔ اگر آپ وجود خداوندی کے قائل ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالقِ کائنات تو مانتے ہیں لیکن آپ یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا اپنی پیدا کردہ دنیا میں کسی قسم کا تصرف ہے بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر وشر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا تو پھر انکار معجزہ کا سبب ظاہر ہے کہ یہ بے ایمانی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آپ اللہ کے وجود کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ساری مخلوق کا خالق و مالک بھی مانتے ہیں اور انہیں بااختیار بھی تسلیم کرتے ہیں تو پھر آپ کا قوانین فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بناء پر معجزات کا انکار کرنا سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ مختار ہے، وہ جب چاہتا ہے اپنے معمولات بدل دیتے ہیں اور جب چاہے ان کو معمول کے مطابق چلاتے ہیں۔ ایک انسان ہے جس کی کئی سالوں کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو گیارہ بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح تین بجے اٹھتا ہے۔ اگر آپ ایک دن اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ اس مشاہدہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلافِ معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے۔ اس طرح ان قوانینِ فطرت کو عادتِ خداوندی اور معمولِ ربانی سمجھنا چاہیے۔ آپ کسی چیز کو خلاف معمول دیکھے تو یہ فیصلہ نہ کریں کہ یہ ناممکن ہے بلکہ اس کو قدرت خداوندی کا کرشمہ سمجھ لیں کہ اللہ کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔

"ہم قوانین فطرت کو عاداتِ خداوندی کہتے ہیں۔ معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیش نظر خلافِ عادت ایسا کیا ہے اور یہ کوئی ناجائز کام نہیں ہے"[35]

---

33 کمال الدین، محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف، المسامرة فی العقائد المنجیة فی الآخرة، مطبوعہ السعادة مصر، طبع دوم، جلد:۲، ص:۸۹

34 انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج:۱۵، ص:۵۸۶

ویسٹرن فلاسفرز میں سے ڈیویڈ ہیوم (DAVID HUME)[36] معجزات کو زیر بحث لائے ہیں اور بڑی قوت سے ان کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ پورا عالم ایک مخصوص انداز کے مطابق چل رہا ہے اور جو معجزات ہیں وہ ہمارے مشاہدے کے خلاف رونما ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ اگر تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل سے قوی نہ ہوں۔ اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ثبوت معجزہ کے لیے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں۔ اس لیے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہم مسٹر ہیوم کو یہ بتاتے ہیں کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے؟ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو اس بات کی دلیل کیا ہے؟ پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ آپ نے اپنی دلیل میں تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے۔ اگر آپ نے اپنی دلیل کی جامعیت ثابت کی تو آپ کی دلیل قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں۔ اور اگر آپ کہتے ہیں کہ معجزات تجربات عامہ کے خلاف ہیں تو پھر اس سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے۔ تمام تجربات و مشاہدات کے مخالفت کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معجزہ ایک تجربہ کے مخالف ہو تو کسی دوسرے تجربے کے مطابق ہو۔ لیکن وہ تجربہ آپ کے فہم سے دور ہو۔[37]

استاد احمد امین مصری مسٹر ہیوم کے اس عجیب فلسفے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ میں معجزات نبوی ﷺ پر بحث کی ہے اور بڑی عرق ریزی سے ان کا بطلان ثابت کرنے کی ایک ناکام کوشش کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہم مسٹر ہیوم سے پوچھتے ہیں کہ ایک طرف تو آپ کے اس دعوے علیت و معلولیت اور سببیت و مسببیت کا حقیقت حال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بسا اوقات ایک چیز کو دوسرے کے لیے علت مقرر کرتے ہیں حالانکہ وہ علت نہیں ہوتی۔ اور دوسری طرف آپ اس وجہ سے معجزے کے منکر ہیں کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے۔ جب آپ کے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں۔ ہر چیز بغیر تحقق علت کے وقوع پذیر ہو رہی ہے اور ایک چیز کا دوسرے کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں ہے تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہو جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کونسی قباحت ہوگئی؟ پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں ہیں وہ علت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آخر جب کائنات کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت علت کیا تھی اور سبب کون سا تھا؟ بس اللہ نے کلمہ کن سے تمام کائنات کو پیدا فرمایا۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک چیز کو تو تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ اس کی حقیقت کو بھی تسلیم کرنے سے قاصر ہو۔[38]

مقالات سرسید میں سر سید احمد خان نے معجزات النبی ﷺ کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ معجزہ کو ہم اس وقت تک معجزہ تسلیم نہیں کر سکتے جب تک وہ قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہوگا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ اور دوسری طرف قوانین قدرت اٹل

---

[35] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج:۱۵، ص:۵۸۶

[36] ڈیویڈ ہیوم، پیدائش ۷ مئی ۱۷۱۱، وفات ۲۵ اگست ۱۷۷۶، ایک سکاٹش فلسفی، تاریخ دان، ماہر معاشیات، اور مضمون نگار تھے۔ NIVERSITY OF 'U EDINBURGH سے گریجویشن کی تھی۔ ویسٹرن فلاسفی اس کا فیلڈ تھا۔

[37] انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، ج:۱۵، ص:۵۸۶

[38] احمد امین المصری، قصۃ الفلسفۃ الحدیثۃ، مطبوعہ لجنۃ التالیف والنشر، القاہرہ، ۱۹۴۹ء، ج:۱، ص:۲۴۵

ہیں۔ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردوبدل کا رونما ہونا بالکل ناممکن ہے کیونکہ قرآن اس بات پر شاہد ہے کہ قوانینِ قدرت میں کسی قسم کا تغیر وتبدیلی محال ہے۔اس لیے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ معجزہ کا وقوع یقینی طور پر باطل ہے[39]۔

یہ ایک نہایت من گھڑت تعریف ہے جو کہ سرسید احمد خان صاحب نے کی ہے جس کے ذریعے انہوں نے معجزہ کا بطلان ثابت کیا ہے، حالانکہ اہل علم اور متکلمین نے معجزہ کی تعریف کی تھی کہ :

"المعجزة امرخارق للعادة یظهره الله علیٰ ید مدعی النبوة"، 'یہ ایک خارق عادت کام ہے جسے اللہ جل شانہ مدعی نبوت کے ہاتھ ظاہر کردیتا ہے'۔

اگر کوئی شخص معجزات نبوی ﷺ کے قوانینِ فطرت کے خلاف ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا یہ دعویٰ تب درست ثابت ہوگا جب وہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن خداوندی کے بارے یہ فیصلہ کرے کہ میں نے ان تمام کا احاطہ کرلیا ہے اور مجھے ان ساری تفصیلات کا علم ہے حالانکہ یہ دعویٰ کوئی نہیں کرسکتا ہے۔اور جب تک کوئی ثابت نہیں کرسکتا ہے اور یقیناً ثابت نہیں کرسکتا تو پھر معجزات نبوی ﷺ کو سنن خداوندی کے خلاف ٹھہرانا سراسر باطل ہے۔جو شخص اللہ اور اس کی قدرت پر ایمان رکھتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح نہیں ہے اور نہ خیر وشر کا دور سے بیٹھ کر تماشا کررہا ہے، بلکہ یہ کائنات آپ کے حکم کے مطابق چلتی ہے تو اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے جو صحیح اور قابل وثوق ذریعے سے ثابت ہوچکے ہوں۔قرآن کریم میں حضور سرور کائنات کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد انہیں حق الیقین حاصل ہوتا ہے کہ یہ واقعہ معراج جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے وہ سچ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

خلاصہ بحث:

اس پوری تفصیل کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ معراج عالم منام کا واقعہ نہیں ہے بلکہ بیداری میں جسد وروح دونوں کے ساتھ ہوا ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا اتفاقی مسلک ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ یہاں دو واقعات ہیں ایک اسراء کا اور دوسرا معراج کا۔اسراء زمینی سفر ہے یعنی بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک کا سفر ہے اور معراج بیت المقدس سے آسمانوں تک کا سفر ہے اور یہ معراج کا سفر بیداری میں ہوا ہے۔رسول اکرم ﷺ اپنے جسد اور روح دونوں کے ساتھ ساتوں آسمانوں تک گئے ہیں اور اسی کا نام معراج ہے۔

قدیم راویوں کا بڑا حصہ واقعہ معراج کے لیے ایک سال قبلِ ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے، ایک بزرگ 7 یا 8 مہینے کی مدت اور بڑھا دیتے ہیں، متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخ سے تین یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا ہے اس کا مبنیٰ یہ ہے کہ جامع بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پاچکی تھیں اور نماز پنجگانہ بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی تھیں۔پھر بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا ہے۔ان مقدمات کو یکجا کرکے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین

---

[39] سرسید احمد خان، مقالات سرسید، ج: ۱۳، ص: ۸۲-۸۴

سال پہلے بقول ابن اثیر ، یا پانچ سال پہلے بقول قاضی عیاض پیش آیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ہو سکتا تھا جب یہ بات ثابت ہوتی کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہ کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں، یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعے کے چند روز بعد پیش آیا ہوتا۔ حضرت عائشہ کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ نے معراج سے پہلے وفات پائی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ ایک مہینہ پہلے یا سال یا پھر چند سال پہلے۔ اس لیے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہو سکتی۔

بہر حال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں اسی طرف ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول 1 ھ سے ایک سال یا ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے۔ ابن سعد نے سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے۔ اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی منشاء ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو اور کچھ کم و بیش معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا بلکہ معراج در حقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔

مہینہ کی تعین مشکل ہے جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول 1 ھ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں، ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول رہے گا۔ اور اگر عام و مشہور معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کیا جائے تو ہجرت سے ایک سال چھ مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔ اور یہی معراج نبوی ﷺ ہے۔